Dr. Rizwana Perween

R.N College Hajipur Vaishali

B.A Part- I

Paper - 1st

Topic:- Zoq Bahasiat Qasida Nigar

Date:- 03-10-2020

Time:- 11:50 - 12:40 P.M

ذوقؔ بحیثیت قصیدہ نگار

شیخ محمد ابراہیم نام، ذوقؔ تخلص، ۱۷۸۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حافظ غلام رسول شوقؔ سے حاصل کی اور ان ہی کے مکتب میں ذوقؔ کو شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔

شروع میں کلام پر شوقؔ سے اصلاح لی۔ بعد میں شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے۔ کتب بینی کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ جب شاہ نصیر سے شاگردی کا رشتہ منقطع ہوگیا تو خود مشق سخن کی عادت ڈالی۔ اور کتابوں کا مطالعہ کیا۔ شاہ نصیر، بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ بادشاہ کے استاد ہونے سے ان کی شہرت بہت بڑھ گئی۔ شاہ نصیر حیدر آباد دکن چلے گئے تو بہادر شاہ ظفرؔ اپنا کلام بے قرار کو دکھانے لگے، مگر جب یہ بھی دلّی سے باہر چلے گئے، تو بادشاہ کی نظر ذوقؔ پر پڑی۔ چنانچہ بادشاہ نے استادی کا شرف ذوقؔ کو بخشا، جو آخر وقت تک ساتھ رہا۔

ذوقؔ کا رنگ سانولہ اور چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ آنکھوں کی بینائی بہت تیز تھی۔ ذہن بھی اعلیٰ درجہ کا پایا تھا۔ آواز بہت بلند تھی۔ اکثر سفید لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ ان کے ایک ہی لڑکا تھا جس کا نام محمد اسماعیل تھا۔ یہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مارا گیا۔ ان کے شاگرد بھی بہت تھے۔ مگر سب سے زیادہ مشہور بہادر شاہ ظفرؔ، نواب مرزا خان داغؔ اور مولانا محمد حسین آزادؔ ہوئے۔ ان تینوں نے استاد کے نام کو خوب روشن کیا۔ مومنؔ اور غالبؔ ان کے ہمعصر تھے۔

بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد ہونے سے ذوقؔ کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ وہ اپنے استاد کی بڑی عزت کرتے تھے۔ قصیدوں کے صلے میں بادشاہ نے ذوقؔ کو جاگیر اور انعام و اکرام بھی عطا کیے جس سے عرصہ تک فیض یاب ہوتے رہے۔ نیز ان کو خاقانیٔ ہند، اور ملک الشعراء، خطابات سے بھی سرفراز کیا گیا۔ ان کا انتقال ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۸۹ء، دلّی میں ہوا۔ مرنے

سے چند لمحے پہلے انھیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ ذیل کا شعر اس کی پوری نمائندگی کرتا ہے

کہتے ہیں آج ذوقؔ جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

قصیدہ نگاری

ذوقؔ اردو شاعری میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے قصیدہ گوئی کے فن کو خوب ترقی دی اور اس فن میں بلند مقام حاصل کیا سوداؔ کے بعد قصیدہ گوئی کے فن میں ان ہی کا نمبر ہے۔ البتہ ان کی غزلوں میں وہ شان اور ندرت نہیں جو ان کے قصیدوں میں ہے۔ اصل میں ذوقؔ اپنے قصیدوں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ اور ان کا یہ کارنامہ ہمیشہ ان کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ ان کے قصیدوں میں الفاظ کی شان و شوکت ترکیبوں کی دلآویزی اور بندش کی چستی پائی جاتی ہے۔ کلام میں روانی اور سلاست ہے لیکن میرؔ اور دردؔ جیسا سوز و گداز نہیں نہ مضامین میں جدت اور اپج ہے۔

فنی اعتبار سے ذوقؔ کا مقام بہت بلند ہے۔ زبان پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ محاوروں کو اشعار میں ایسا جڑتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگ، ذوقؔ اصل میں غزل گو کم، قصیدہ گو زیادہ ہیں۔ جیسے ؎

جو کوچہ قاتل میں گیا پھر وہ نہ آیا
کیا جانے مزہ کیا ہے کہ جینا نہیں آیا

ایک اعتبار سے ان کی تشبیب کو سراہا جا سکتا ہے ان میں مختلف علوم و فنون مثلاً نجوم، طب، منطق، فلسفہ، فقہ، تصوف، تفسیر، حدیث، تاریخ اور موسیقی وغیرہ کی اصطلاحات اس کثرت سے استعمال ہوئی ہیں کہ ان سے ایک علمی فضا تیار ہو جاتی ہے۔

گریز میں بھی ذوقؔ کا کوئی خاص مرتبہ نہیں ان کی گریزیں پامال اور فرسودہ ہیں۔ مکالماتی تشبیب میں گریز کو ایک فن کی حیثیت سے برتنے کا بڑا نادر موقع ہوتا ہے۔ ذوقؔ نے متعدد تشبیہوں میں سوال و جواب کا اسلوب اپنایا ہے لیکن گریز میں وہ ذرا بھی لطافت و شگفتگی اور فنکارانہ چابکدستی کا مظاہرہ نہیں کر سکے۔ اکثر قصیدوں میں تشبیب کے بعد کسی قدر غیر مربوط طریقے سے مدح کی ابتدا ہو جاتی ہے۔

مدح میں ذوقؔ نے عموماً بڑا زور طبع دکھایا ہے اور پر شکوہ الفاظ و تراکیب سے ایک

جادوئی فضا قائم کردی ہے۔ مبالغہ اور تخیل کے ذریعہ ممدوح کے مرتبہ، شجاعت، عدالت اور خلق وغیرہ کی تعریف بڑے زور شور سے کی ہے۔

ممدوحین کے بیان کے علاوہ ذوق نے ان کے ساز و سامان، تیر، تلوار، گھوڑے، ہاتھی وغیرہ کی تعریف بھی بڑے انہماک کے ساتھ کی ہے۔

قصیدے کی کامیابی کے لئے اس کے مطلع کا برجستہ، شگفتہ اور بلند ہونا ضروری ہے ورنہ سامع پورا قصیدہ سننے کے لئے کبھی متوجہ نہیں ہوگا۔ ذوق کے بیشتر قصیدوں کے مطلعے ان خصوصیات سے عاری ہیں۔ جیسے یہ مطلع دیکھئے:

ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی   برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی

یقیناً پہلے مصرع میں شگفتگی اور برجستگی موجود ہے لیکن دوسرے مصرع کے آخری ٹکڑے تک آتے ہی اس طرح ذہن لڑکھڑاتا ہے کہ پہلے مصرع کا لطف بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں سودا کا یہ مطلع کتنا برجستہ، شگفتہ اور بلند ہے ؎

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی   نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے تمام بہتر مطلعے ان خصوصیات سے خالی ہیں پھر ایسے مطلعے بھی ہیں جو اپنے اندر تازگی، شگفتگی اور برجستگی رکھتے ہیں مگر وہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ ذوق نے ہر قصیدے میں ایک نئی بات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ذوق کی تشبیہوں میں کوئی نئی بات نہیں۔ بہار و طرب، سوال و جواب، اخلاق و موعظت ان کی تشبیب کے خاص موضوعات ہیں۔ ان کے اکثر قصیدوں کی تشبیب بہاریہ ہے مگر وہ سننے والوں کو بہاریہ سے کم آشنا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لفظی صنائی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لفظی و معنوی صنائع کے چکر میں ان کا ذہن مضامین اور معانی کی جدت کی طرف نہیں جاتا۔ اس لئے ان کی بہار محض ایک خیالی بہار بن کر رہ گئی ہے۔

ذوق کے قصائد کا سب سے دل کش حصہ اُن کی تشابیب ہیں جن کی روشنی میں ذوق کے علم و فضل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے مدح کا نمبر اس کے بعد آتا ہے گریز کے معاملے

قصیدہ کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ان کا یہ قصیدہ اردو قصیدہ نگاری میں مثالی ہے جو کہ فارسی اور عربی موضوعات سے الگ ہٹ کر ہندوستانی موضوعات پر ہے۔ برندابن، گوپی، کرشن وغیرہ جیسے دل چسپ کردار اور مقامات سے انھوں نے مدح کا پہلو نکالا ہے۔

محسن کے بارے میں مشہور ہے کہ انکو خواب میں رسول پاک کی زیارت ہوئی تھی اسی لئے وہ نعت کہتے وقت اس میں ڈوب جاتے ہیں۔ محسن کے کلام میں مشکل الفاظ کم کم پرہیز ہے۔ وہ تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کو نہایت سادہ مگر دل چسپ انداز میں استعمال کرتے ہیں۔ ان کے یہاں ہندوستانی تہذیب و روایات بھی پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں اور کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے وہ کہیں کہیں ہندی الفاظ بھی لے آتے ہیں۔ ہندوستانی تہذیب کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو ؂

راکھیاں لے کے سلونو کی برہمن نکلیں — تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

عشق کے نعتیہ قصائد کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ ہندوستانی تہذیب و معاشرت سے اپنے قصیدے کی تشبیب باندھتے ہیں اور اس کے بعد بڑی خوش اسلوبی سے گریز کر کے نعت محمدؐ کی طرف نکل جاتے ہیں اور یہ گریز اتنا فطری ہوتا ہے کہ محسن کی فنکاری کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ان کی تشبیب کے بارے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا خیال ہے کہ سودا اگرچہ قصیدہ کے بادشاہ ہیں مگر تشبیب میں جو ندرت اور اچھوتا پن محسن کے یہاں ہے وہ سودا کے یہاں بھی نہیں ہے۔

محسن نے جو تلمیحات استعمال کی ہیں ان کو سمجھنے کے لئے قرآن و حدیث کا مطالعہ ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ان کی تشبیہات بہت زیادہ عام انداز کی نہیں ہیں۔ اور انداز ہمیں ان کے علاوہ صرف اقبال کے یہاں ملتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ محسن کاکوری نے نعت گوئی کی فضا کو لفظی و معنوی معراج عطا کی ہے ان کے یہاں ایک طرف لفظوں کی تراش خراش ہے وہیں دوسری طرف ان میں زبردست معنویت بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے نعتیہ قصائد ہمیں عمل کی تحریک دلاتے ہیں